جناب محمد یونس میو
ڈسکہ

جدید اصولِ تحقیق کی تشکیل میں مسلمان محدثین کے کارنامے

(روایات تفسیر القرآن العظیم کے تناظر میں)

علامہ ابن کثیر بطور محدث

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ابن کثیر کی تفسیر کے حوالہ سے آپ کی محدثانہ حیثیت کے بارے میں لکھا ہے۔

''حافظ ابن کثیر ایک پختہ کار محدث تھے انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی' اگرچہ وہ اس میں بلند محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی اور انہوں نے کسی قدر توسیع سے کام لیا اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا' مگر اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ تفاسیر میں محدثانہ نقطہ نظر سے یہ تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتماد و استفادہ ہے۔ (۱)

اس تفسیر کی یہ خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں قرآن کی تفسیر قرآن سے کی گئی ہے مفسرین کی اصطلاح میں اس تفسیر کو فنی اعتبار سے ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کیا جاتا ہے' ابن کثیر کے ہاں اس کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے جیسا کہ وہ خود مقدمہ میں فرماتے ہیں' ''ان اصح الطریق فی ذلک ان یفسر القرآن بالقرآن'' (۲) اس کے بعد پھر حدیث اور پھر اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں اس ضمن میں آپ خلفاء راشدینؓ کا ذکر خاص طور پر کرتے ہیں (۳) ابن کثیر سلیس اور مختصر عبارت میں آیت کی تفسیر کرتے ہیں' مقدمہ ابن کثیر کے علمی اور تفسیر مباحث سے عندیہ ملتا ہے کہ آپ نے اسرائیلیات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کو قبول کیا ہے (۴) لیکن اس پر نقد و جرح میں ذرا نہیں چوکتے' آپ نے اس تفسیر میں طبری' ابن حاتم اور ابن عطیہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے' عربی اشعار نقل کئے ہیں (۵) آپ ایک محدث کی حیثیت سے احادیث کا معیار اور اسناد بھی بیان کرتے ہیں' بعد ازاں اس کی تائید میں صحابہؓ تابعین کے اقوال بیان کرتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں (۶) بعض کو صحیح اور بعض کو ضعیف قرار دیتے ہیں' آپ رواۃ و رجال اور اسرائیلیات پر نقد و جرح میں مشہور ہیں' اس بارے میں مولانا تقی عثمانی نے اپنا تاثر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''یہ کتاب تفسیر ابن جریر کا خلاصہ ہے البتہ اس کا ایک امتیاز یہ ہے کہ حافظ ابن جریر' ابن مردویہ' اور ابن ماجہ وغیرہ نے تفسیری روایات کو صرف جمع کرنے کا کام کیا ہے' انکی چھان پھٹک نہیں کی۔ لیکن حافظ ابن کثیر کی خصوصیت یہ ہے کہ۔

وہ روایات پر جرح وتنقید کے فن کا مہارت سے استعمال کرتے ہیں'(۷) لیکن اس کے باوجود ابن کثیر میں ہر طرح کی روایات ملتی ہیں' ضعیف بھی اور اسرائیلی بھی' تاہم آپ بار بار واللہ اعلم (۸) کہتے ہوئے نہایت احتیاط سے آگے بڑھتے جاتے ہیں' غالباً یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس کو روایتی مگر محتاط اور مستند تفسیر قرار دیا ہے۔(۹) ذیل میں چند روایات کا فنی وفکری جائزہ مرتب کیا جا رہا ہے' جس سے مراد یہ ہے کہ محدثین روایات کے بارے میں کس قدر محتاط تھے اور انہوں نے روایات کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کا کس قدر غائر مطالعہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن کثیر کی پہلی روایت جس کا تعلق حدیث کی کتاب ''مسند احمد'' سے ہے۔

وقال حدثنا حسين حدثنا ابن لهيعة حدثنا زبان بن فائد عن سهيل بن معاذ بن انس الجهني عن ابيه عن رسول الله ﷺ انه قال (من قرأ أول سورة الكهف و آخرها كانت له نوراً من قدمه إلى رأسه ومن قرأها كلها كانت له' نوراً بين السماء والارض) انفرد به أحمد ولم يخرجوه(۱۰)

آپ جانتے ہیں کہ حدیث کی عدم صحت کے لئے کسی ایک راوی کا غیر ثقہ اور ضعیف ہونا کافی ہوسکتا ہے' اور اس روایت کے اکثر راوی ضعیف الحدیث' منکر الحدیث قرار دیئے گئے ہیں' اس روایت کے پہلے قابل توجہ راوی ''ابن لهيعة مقرئ عبداللہ ابوعبدالرحمان'' ہیں ان کے بارے میں صاحب مشکوۃ کی تحقیق یہ ہے کہ ''اگرچہ یہ فقیہ ہیں' مصر کے قاضی بھی رہے' لیکن حدیث کے باب میں ضعیف ہیں' لیکن ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کی رائے دوسری ہے'' ''ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا کہ مصر میں کوئی شخص کثرتِ حدیث اور اس کی یادداشت اور پختگی میں ابن لهيعة جیسا نہ تھا'' ان کا ۱۷۴ھ میں انتقال ہوا''(۱۱)

ابن لهيعة سے ''زبان بن فائد نے روایت کی ہے جن کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

"ضعفه ابن معين' وقال احمد احاديثه مناكير' وقال ابو حاتم صالح(۱۲)

ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے کہ ''وہ اپنی نماز' عبادات' وغیرہ کے باوجود حدیث میں ضعیف قرار دیئے گئے ہیں۔ ضعيف الحديث مع صلاته وعبادته(۱۳)

علامہ موصوف نے اپنی دوسری کتاب میں ابن حبان کے حوالہ سے ان کو بہت بڑا ''منکر الحدیث'' اور ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

وقال ابن حبان منكر الحديث جداً لا يحتج وقال الساجي عنده مناكير(۱۴)

ابن لهيعة' سہل بن معاذ بن انس الجہنی سے روایت میں متفرد ہیں' سہل بن معاذ بھی اس روایت کے اہم راوی ہیں' علامہ ذہبی نے انکو ضعیف کہا ہے' لیکن ابن حبان نے ان کا ذکر الثقات میں کیا ہے۔(۱۵) ''تقریب'' میں لکھا ہے کہ سوائے ان

درایات کے جن کوان سے زبان بن فاید نے لیا ہے ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' لاباس به الا فی روایات زبان عنه من الالبیعة '(۱۶) ابن حجر عسقلانی نے ابوبکر ابی خیثمہ اور ابن معین کے حوالہ سے ضعیف کیا ہے' آپ نے زبان بن فاید کے حوالہ سے ان پر سخت تنقید کی ہے اور ان کو ضعفا اور منکر الحدیث جداً قرار دیا ہے۔ ہاں ابن حبان اور العجلی المصری تابعی کی روایت سے ان کو ثقہ بھی کہا ہے۔(۱۷)

آپ جانتے ہیں کہ کسی روایت کے درست اور قابل اعتناء کے لئے رواۃ پر بحث ابتدائی مرحلہ ہے' ضروری نہیں ہے وہ راوی ثقہ ہوں تو روایت بھی صحیح ہو بلکہ اس کے بعد روایت کو ایک اور امتحان ''درایت'' سے گزرنا پڑتا ہے۔ جس میں قرآن و حدیث' اجماع امت' ادب و اسلوب زبان ولسانیات' فصاحت و بلاغت کے علاوہ عقل جیسے معیارات پر بھی پورا اترنا پڑتا ہے' محدثین اور آئمہ جرح وتعدیل نے اس کے لئے کچھ اصول مقرر کردیئے ہیں' کسی بھی روایت پر بحث کرتے ہوئے ان اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے' روایت زیر نظر پر درایت کے دو اصولوں کا اطلاق ہوتا نظر آتا ہے' وہ اصول یہ ہیں۔

وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں(۱۸)

دوسرے ایسی حدیث جس میں معمولی کام پر سخت عذاب یا ثواب کا ذکر ہو(۱۹)۔ مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ ایسی حدیثوں کے بارے میں یہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے راوی معتبر ہیں یا نہیں ہیں۔(۲۰)

مولانا محمد حنیف ندویؒ نے سورتوں کے فضائل کے تناظر میں لکھا ہے کہ ''ان کے وضاعین میں ایک نوح بن مریم تھا جس نے اعتراف کیا کہ اس سے قرآن کے فضائل کے بارے میں حدیثیں گھڑی ہیں' اور ایک ایک سورت سے متعلق بتایا ہے کہ اس کی تلاوت میں کس درجہ ثواب حاصل ہوتا ہے(۲۱) مولانا ندویؒ کی یہ جرح ہر دو اعتبار سے کام کی چیز ہے۔ فضائل کے باب میں بھی اور معمولی کام پر بہت زیادہ ثواب کے ضمن میں بھی۔ آپ اس روایت کے متن میں ملاحظہ کریں سورۃ کہف کی صرف پہلی اور آخری آیات کے بدلے میں قاری کے قدموں سے سر تک اور پھر زمین سے آسمان تک نور ہی نور پھیل جاتا ہے۔ اس طرح کے فضائل مجموعی طور پر قرآن سے بے اعتنائی کا رجحان پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ سورۃ اخلاص کا ثواب پورے قرآن کے برابر ہے' روایت کی اسناد سے قطع نظر کہ یہ روایت قرآن وحدیث کے مقاصد سے ہم آہنگ نظر آتی ہے' نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس سورۃ کا استعمال صرف ایصال ثواب کے لئے مختص کرلیا ہے' سورۃ اخلاص کے ''فلسفہ توحید'' کی طرف توجہ ہی نہیں جاتی۔

اس روایت کے آخر میں علامہ ابن کثیر نے "انفرد به أحمد ولم یخرجوه (۲۲) کے الفاظ رقم فرمائے ہیں جو اس روایت کی سند کے غریب ہونے کی طرف ایک اشارہ ہے'(۲۳) روایت و درایت کی اس مختصر پس منظر میں اس حدیث کا درجہ متعین کرنا قطعاً مشکل نہیں رہ جاتا۔

(۲) وقد روی الحافظ ابن عساکر فی ترجمة همام بن الولید الامشقی حدثنا صدقة بن عمر انفسانی حدثنا عباد المنقری سمعت الحسن البصری یقول کان اسم کعبش ابراهیم علیه الصلوة و السلام جریر و اسم هد هد سلیمان علیه السلام عنفر و اسم کلب أصحاب الکهف قطمیر و اسم عجل بنی اسرائیل الذی عبدوه، بهموت" وهبط آدم علیه السلام بالهند و حوا بجدة و ابلیس بدشت یسبان و الحیة باصفیان (۲۴)

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ روایت بالا میں حضرت ابراہیم کے مینڈھا "جریر" حضرت سلیمان کے "ھد ھد" عنفر اصحاب الکہف کے کتے "قطمیر" بنی اسرائیل کے بچھڑے "بہموت" کا ذکر ان کے ناموں کے ساتھ ہوا ہے، نیز حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے ہند اور حضرت حوّا کا جدہ ابلیس کا دست بیبان اور سانپ کا اصفہان میں اترنا اس پر مستزاد ہے، یہ ہے روایت کا متن جس میں درایتاً کئی طرح کے سوال مستور ہیں لیکن اس کے پہلے رواۃ پر ایک نظر ڈالنا مناسب ہوگا، حافظ ابن عساکر ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ الشافعی تھے، آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کی تاریخ اسی جلدوں میں ہے، ۵۷۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے جنازہ میں سلطان صلاح الدین نے شرکت کی۔ (۲۵)

دوسرے راوی "صدقۃ بن عمر العسانی" ہیں ابن حجر نے تقریب میں ان کو مجہول" لکھا ہے۔ (۲۶) علامہ ذہبی نے بھی انکو "مجھولان" میں شمار کیا ہے، نیز لکھا ہے کہ ہشام بن عمار کے سوا کوئی ان سے روایت نہیں کرتا۔ (۲۷) ان کے بعد "عباد بن میسر المنقری البصری" ہیں عابد و صالح ہیں لیکن حدیث میں معتبر نہیں مانے جاتے۔ (۲۸) احمد بن حنبل نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ جبکہ ان سے روایت میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے "لیس به بأس" اور ابو داؤد نے ان کے لئے "لیس بقوی" کے الفاظ استعمال کئے ہیں، (۲۹) الاثرم کہتے ہیں کہ یہ ضعفہ احمد سے ہیں، ابن معین کا بیان ہے کہ عباد بن میسرہ، عباد بن ارشد، عباد بن کثیر اور عباد منصور کی تمام حدیثیں غیر ثقہ ہوتی ہیں "کلهم حدیثهم لیس بالقوی" ابن حجر نے بھی ابوداؤد کے حوالہ سے لکھا ہے "عباد بن میسرہ، حدیث میں قوی نہیں ہیں البتہ ابن حبان نے ان کا تذکرہ "الثقات" میں کہا ہے۔ (۳۰)

عباد منقری نے الحسن بن ابی الحسن البصری سے روایت کی ہے کہ جو جندب بن عبداللہ، انس عبدالرحمان بن سمرہ، معقل بن یسار، اور ابی بکرہ سمرہ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ ان سے ایوب وحمید و یونس وقتادہ اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں، امام صفی الدین احمد الخزرجی نے انکے بارے میں لکھا ہے:

"قال سعید" کان عالماً، جامعاً، رفیقاً فقه ما مونا" عابداً ناسکا، کثیر العلم، فیصیحاً جمیلاً و سماً ما ارسله، فلیس بحجة (۳۱)

راویوں پر بحث کے بعد آیئے روایت کو درایت کے آئینہ میں دیکھیں ''قرائن روایت'' بتاتے ہیں کہ روایت ''اسرائیلیات'' سے ہے ابن کثیر میں اسرائیلیات کی ایک تعداد بہرحال موجود ہے، تاہم یہ درست ہے کہ ابن کثیر ان جرح بھی کرتے ہیں اور ان کی صحت اور ضرورت کے قائل بھی نہیں ہیں۔ یہ روایت ''سورۃ الکہف'' کی آیت کے ایک جز کی شرح کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ و کلبهم باسط ذراعيه بالوصيد (۳۲)

ان کا کتا بھی چوکھٹ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے، یہاں ابن کثیر دراصل اصحاب کہف کے کتے کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں اور اس تفسیر میں آپ نے اسکے دو نام بیان کئے ہیں، قطمیر (۳۳) اور ''عمران'' (۳۴) نیز اسکے رنگ کے بارے میں اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے، لیکن ساتھ ہی آپ نے اس نوع کی چند اور چیزیں بھی ذکر کر دی ہیں، مثلاً حضرت ابراہیم کا ''مینڈھا'' ''جریر'' حضرت سلیمان کا ہد ہد عنقر'' بنی اسرائیل کے معبود بچھڑا کا نام ''بہموت'' وغیرہ، نیز حضرت آدم و ابلیس کے واقعہ میں سانپ کا ذکر نہایت غیر ضروری چیز نظر آتی ہے، اسکا ذکر بائبل وغیرہ نے قصہ آدم میں کیا ہے (۳۵) کیا بعید ہے، یہ انہیں رواۃ کتب سابقہ سے یہاں بھی نقل ہو گیا ہو جیسا کہ ابن کثیر ہی نے بعض جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے، دراصل اس بحث طوالانی کا مقصد خاص طور پر ابن کثیر کے یہاں یہ نظر آتا ہے، کہ شاید وہ ان تمام غیر ضروری امور کو ایک جگہ بیان کر کے انکے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ اسی روایت کے متصل آپ نے فرمایا ہے۔

لاحاصل لها و لا طائل تحتها و لا دليل عليها و لا حاجة إليها بل هي مما ينهى عنه فان مستندها رجم بالغيب (۳۶)

اسرائیلیات کے حوالہ سے آپ نے ایسی تنقیدات جابجا فرمائی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اسرائیلیات کے بارے میں محتاط طرز عمل خاموشی ہے، (۳۷) شاہ ولی اللہؒ نے اس بارے میں بڑی عمدہ بات کہی ہے، فرماتے ہیں ''جب بھی کوئی واقعہ نقل کرنا ہو تو صرف اتنا ہی واقعہ نقل کیا جائے جس کا قرآن کے اشارات سے تعلق ہو، تاکہ جو کچھ لکھا جائے اس کی قرآن سے تصدیق بھی ہو سکے (۳۸)

اب آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ ایسی روایات کی نہ تو قرآن سے تصدیق ہوتی ہے نہ صحیح احادیث ان کی تائید کرتی ہیں نہ ان کا تعلق شریعت سے ہے اور نہ عمل زندگی سے، اگر ان کے راوی ثقہ بھی ہوں تب بھی ان روایات سے اعتناً کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ احادیث یا روایات، روایت و درایت کے پیمانوں پر پوری نہیں اترتیں۔

(۳) وقال محمد بن اسحاق بن يسار عن عبدالله بن أبي نجيح عن مجاهد قال لقد حدثت انه كان على يوهضم من حداثة سنه و ضع الورق، قال

ابن عباس فكانوا كذلك ليلهم و نهارهم في عبادة الله يبكون و يستغثون بالله و كانو ثمانية نفر: مكسلمينا و كان اكبرهم و هو الذي كلم الملك عنهم و يمليخا و مرطونس و كسطونس و بيرونس و دنيموس و يطبونس و قالوش هكذا وقع في هذه الرواية و يحتمل ان هذا من كلام ابن اسحق و من بينه و بينه فان الصحيح عن ابن عباس انهم كانو اسبعة و هو ظاهر الاية (۳۹)

اس روایت میں محمد بن اسحاق عبداللہ بن ابی نجیح اور مجاہد ہیں اول الذکر محمد بن اسحاق بن یسار ابوبکر المطلبی مولدھم المدنی ہیں۔ ''تقریب'' نے ان کو امام المغازی' ثقہ' اور صدوق لکھا ہے' تاہم ان کی تدلیس اور تشیع کا ذکر بھی کیا ہے۔(۴۰) ''میزان'' میں یحییٰ القطان کا یہ قول محل نظر ہے'' یحییٰ کہتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ ''محمد بن اسحاق'' کذاب ہے''(۴۱) دارالقطنی کہتے ہیں کہ یہ سیرت میں منکر' منقطع اور جھوٹے اشعار بیان کرتا ہے' ابن معین ان کو قابلِ حجت نہیں کہتے جبکہ سلیمان التیمی نے ان کو کذاب کہا ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ یہ حدیث میں قوی نہیں ہیں" لیس بالقوی " یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن اسحاق پر تعجب ہے کہ اہل کتاب سے حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اسی طرح ابن ابی فدیک کہتا ہے کہ ''میں نے دیکھا کہ ابن اسحاق اہل کتاب میں سے ایک شخص سے حدیثیں لکھتا ہے' امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ بہت بڑے پیمانے پر ''تدلس'' کا مرتکب ہوا ہے۔(۴۲)

علامہ ذہبیؒ نے میزان یحییٰ بن کثیر وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے

سمعنا شعبة يقول ابن اسحاق امير المومنين في الحديث : هو صدوق (۴۳)

ابن حجر نے ''تہذیب میں بڑی مفصل بحث کی ہے خلاصہ ملاحظہ کے لئے حاضر ہے

''عباس الدوری اور ابن معین سے روایت ہے کہ ابن اسحٰق ثقہ ہے لیکن قابل حجۃ نہیں ہے'' ثقہ ولیس بحجۃ' ابن نفیس ہی سے دوسرا قول یہ ہے کہ "ليس بائيس و قال مره ليس بذالك ضعيف و قال مره ليس بالقوى (۴۴) ابن معین کے علاوہ نسائی نے بھی یہی کیا ہے(۴۵) ابن حبان نے ان کو الثقات میں رکھا ہے' ابن سعد اور العجلی نے بھی ثقہ قرار دیا ہے' ابن المدینی کا قول مبنی بر اعتدال نظر آتا ہے'' کہتے ہیں ابن اسحاق اہل کتاب سے روایات میں ضعیف ہے ان کے علاوہ وہ ثقہ ہے(۴۶) یہ یہود سے روایت میں مشہور تھے اور غزوات نبوی اور قصہ خیبر کے بارے میں بھی اس نے ایسا ہی کہا ہے' لیکن تعجب ہے کہ اس سب کے باوجود آئمہ جرح و تعدیل نے ان کو صدوق اور ''ھو حسن الحدیث'' کہا ہے' ابوزرعہ' حاکم اور محمد بن یحییٰ نے ایسا ہی لکھا ہے۔(۴۷)

ابن اسحاق نے عبداللہ بن نجیح المکی الثقفی سے روایت کی ہے کہ ابن حجر نے تقریب میں عبداللہ بن نجیح کو ثقہ کہا ہے۔(۴۸) علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں یہ رائے دی ہے۔

عبداللہ یسار ھذا ھو عبداللہ بن ابی نجیح المکی الثقفی "ثقہ قال ابن جوزی قال یحیی: کان من رئوس الدعاۃ الی القدر (۴۹)

ابن حجر عسقلانی نے ابن معین' ابوزرعہ' النسائی' ابن سعد' محمد بن عمر' اور ابن حبان کے حوالہ سے ثقہ کہا ہے' البتہ نسائی نے یہ بھی کہا ہے" کان یدلس" (۵۰) اس روایت کے اگلے راوی مجاہد ہیں:

یہ مجاہد بن جبر ہیں' حدیث میں ثقہ ہیں تفسیر اور علم میں امام کا درجہ رکھتے ہیں" امام فی التفسیر و فی العلم" (۵۱) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ اہل کتاب سے اخذ کرتے ہیں" اخذھا من اھل الکتاب" نسائی کہتے ہیں کہ ابن حبان البتی نے آپ کو ضعفا میں لکھا ہے' ابن خراش وغیرہ کا کہنا ہے' کہ وہ احادیث جو انہوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہیں "مراسیل" ہیں (۵۲)

ابن حجر عسقلانی نے بھی تہذیب میں ان کی "مراسیل" کا ذکر کیا ہے' ابوحاتم کے حوالے سے روایت ہے کہ یہ حضرت عائشہ سے مرسل روایت کرتے ہیں' علی بن المدائنی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ مجاہد نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات کی اور حضرت عائشہؓ سے حدیث سنی' ابن حجر نے ابوبکر عباسؒ اور الاعمش کے حوالہ سے بھی لکھا ہے کہ مجاہد تفسیر میں اہل کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔ (۵۳) مولانا محمد حسین ذہبی نے اس ضمن میں کہا ہے کہ میں نہیں سمجھا کہ مجاہد نے اس ضمن میں جائز حدود سے تجاوز کیا ہوگا خصوصاً جب وہ حبرِ امت ابن عباسؓ کا تلمیذ رشید ہے' جو اہل کتاب کے بارے میں تشدد سے کام لیتے تھے۔ (۵۴)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان تینوں راویوں پر اہل کتاب سے روایت کرنا مذکور ہے۔ اگر متن روایت پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہاں بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ روایت زیرِ نظر کا تعلق بھی اسرائیلیات ہی سے نظر آتا ہے۔ یہ روایت سورہ الکہف کی آیت ۲۲ کی شرح میں نقل ہوئی ہے' جس میں اللہ تعالیٰ نے اصحب کہف کی تعداد کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ تین تھے؟ پانچ تھے یا سات تھے؟ نیز آٹھواں ان کا کتا تھا۔ قرآن سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سات تھے۔ اس کے بعد پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی صحیح تعداد کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے' یہاں پہنچ کر اصول اور بحث کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ نیز اس پر یہ تاکید بھی موجود ہے کہ اس کے بارے میں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں انکی تعداد اور حالات پر لوگوں سے بحث نہ کریں' قرآن حکیم میں اس آیت کے بعد ان حضرات کے حالات' کیفیات اور تعداد وغیرہ سے بحث کرنا کیا قرآن کے مذکور بالا فرمان کے خلاف نہیں ہے' قرآن کہتا ہے کہ ان کی صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے' اور اہل تفسیر ان کے ناموں تک کی تفصیل بیان کرتے ہیں' ابن کثیر نے اگرچہ یہاں ان کے آٹھ نام لکھے ہیں۔ (۵۵) لیکن اس روایت پر ان کی جرح بھی قابل ملاحظہ ہے' آپ نے اس کو اسرائیلیات ہی میں شمار کیا جاتا ہے (۵۶) ایسی ہی روایات ہیں جن کے بارے میں آئمہ جرح وتعدیل نے لکھا ہے' کہ ان کے بارے میں یہ

جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے راوی معتبر ہیں یا نہیں۔

۵۔۴

و قال محمد بن اسحاق عن الحسن بن دینار عن قتادہ عن جعفر بن ایاس عن ابن عباسؓ فی قول تبارک و تعالیٰ (و فدیناہ بذبح عظیم) قال خرج علیہ کبش من الجنۃ قدر علی قبل ذلک اربعین خریفا .....(۵۷)

ابن کثیر کی یہ روایت سورۃ الصآفات کی آیات کی تصریحات سے ہے' ان آیات میں حضرت ابراہیم اور اسماعیلؑ کی قربانی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے'' اور حضرت ابراہیم نے اپنے حضرت اسماعیل کو ماتھے کے بل گرا دیا تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا' ہم نیکی کرنیوالوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں اور یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی دے کر اس بچے (حضرت اسماعیلؑ) کو چھڑا لیا'' و فدیناہ بذبح عظیم (۵۸)

ابن کثیر کی یہ زیرِ نظر روایت آیت کے اسی حصہ کی تفصیل و شرح میں نقل فرمائی ہے' نیز روایت نمبر ۵ جو ہماری اس بحث کا آخری حصہ ہے بھی اسی آیت کی کچھ مزید شرح کرتی ہے۔ لیکن ہر دو روایات پر بحث آئندہ آتی ہے یہاں بالترتیب ان روایات کے راویوں کے بارے میں کتب رجال کی آراء معلوم کر لیتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایت میں پہلے راوی محمد بن اسحاق ہیں جن کے حالات سابقہ بحث میں بیان ہو چکے یہ الحسن بن دینار سے روایت کرتے ہیں' ان کا پورا نام ''الحسن بن دینار ابوسعید التمیمی'' ہے ان کے بارے میں سفیان ثوری' ابوداؤد' الحسن بن واصل وغیرہ کا بیان ہے کہ ان کے پاس اہل کتاب کے سرمایہ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا' (۵۹) ابن حجر عسقلانی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' "و ما ھو عندی من اھل الکتاب" (۶۰) امام بخاری کا قول ہے کہ ان کو یحییٰ' عبدالرحمٰن' ابن مبارک اور وکیع نے ترک کر دیا ہے۔ اور حضرت عباس کا بیان ہے کہ انہوں نے سنا کہ یحییٰ کہتے تھے'' حسن بن دینار کوئی شے نہیں''

"قال عباس! سمعت یحییٰ یقول الحسن بن دینار لیس بشئی (۶۱)

امام النسائی' ابوحاتم نے اس کو متروک قرار دیا ہے' نیز ابن حبان نے بھی وکیع اور ابن مبارک کے حوالہ سے ایسا ہی کہا ہے (۶۲) علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابوخیثمہ کے حوالہ سے ان کو ضعیف اور کذاب لکھا ہے۔ نیز ابومجاہد کی یہ روایت بھی بیان کی ہے "ابو مجاھد قال سمعت عمر فقال شعیہ ھی ھی (۶۳)

مطلب یہ ہوا ہے کہ حسن بن دینار اہل کتاب سے روایت کرتا ہے' آئمہ کے ہاں یہ ''متروک'' ہے' ضعیف اور کذاب'' ہے۔ یہ اس روایت کے ایک اہم راوی ''قتادہ'' سے روایت کرتے ہیں' ان کے بارے میں صاحب مشکوۃ نے لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانے کے قوی الحافظ تھے' عربی اشعار کے عظیم عالم' ایام العرب اور علم الانساب کے زبردست ماہر اور عربی

زبان وادب میں بصیرت تامہ رکھتے تھے (۱-۶۳) مفسر قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی مشہور تھے (۶۴) علامہ ذہبی نے ''میزان'' میں ان کو ثقہ اور ثبت لکھا ہے۔ روایت میں ان کے معتبر ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اصحاب صحاح ستہ ان کو قبول کرتے ہیں' میزان کی عبارت ملاحظہ ہو:

"حافظ' ثقہ' ثبت' لکنہ مدلس ورمی بالقدر' قال یحیی بن معین مع ھذا فاحتج بہ اصحاب الصحاح (۶۵) اس روایت کے آخری راوی "جعفر بن ایاس ابو بشر الواسطی" ہیں علامہ ذہبی نے ''میزان میں ان کو ثقہ کہا ہے' یہ کبار علماء سے ہیں ابو حاتم نے ثقہ کہا ہے۔ (۶۶) ''تقریب'' میں لکھا ہے۔ "ثقہ من اثبت الناس فی سعید بن جبیر ضعفہ شعبہ فی حبیب بن سالم (۶۷) ابن حجر نے ہی تہذیب میں ابن معین' ابو زرعہ' ابو حاتم' العجل اور امام نسائی وغیرہ کے حوالے سے ان کو ثقہ کیا ہے' نیز ابن عدی کے یہ قول بھی نقل کیا ہے "ارجو نہ انہ لاباس بہ (۶۸) اس قول کو ''میزان'' نے بھی نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ نکلا کہ جعفر بن ایاس ائمہ جرح کے ہاں ثقہ قرار پائے ہیں۔

۵۔ وقدینہ بذبح عظیم کی شرح میں ابن کثیر نے ایک اور روایت بیان کی ہے۔ اس روایت میں جہاں اس بات کا اعادہ کیا ہے' کہ یہ مینڈھا جنت میں چالیس سال تک چرتا رہا وہاں اس پر یہ اضافہ بھی قابل توجہ ہے کہ اس کا رنگ سفید' اس کی آنکھیں اور سینگ بڑے بڑے تھے' جو ایک عرصہ تک بیت اللہ میں لٹکے رہے۔ یہ چیختا ہوا اوپر سے اترا' بعد ازاں شبیر میں ببول کے درخت کے ساتھ بندھا ہوا ملا اور منی میں شبیر کے پاس جو چٹان ہے اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا' نیز یہ وہی دنبہ ہے جیسے ہابیل نے اللہ کی راہ میں قربانی کیا تھا' اس کی اون قدرے سرخ مائل تھی اور اس کا نام ''جریر'' بقول علامہ ابن کثیر بعض نے اسے پہاڑی بکرا اور بعض نے نر ہرن بھی کہا ہے' بہر حال' اس ضمن میں علامہ صاحب نے متعدد روایات کو نقل فرمایا ہے' یہاں روایات کی ترتیب قطع نظر صرف مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ (۶۹) موخر الذکر ان دونوں روایتوں میں حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی قربانی کے حوالہ سے ''بذبح عظیم'' کی شرح کی گئی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا "بذبح عظیم" سے مراد ''مینڈھا'' ہی ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے ''ذبح عظیم'' کی تعین میں کلام تھے' مولانا نے بڑا محتاط انداز اختیار کیا ہے' لیکن یہیں پر آپ نے ایک ایسی بات بھی لکھ دی ہے جس سے ان روایات کی تصدیق کا پہلو نکل آتا ہے کہ مینڈھا ہی تھا اور جنت سے آیا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں'' جب حجر اسود وغیرہ کا جنت سے آنا ثابت ہے تو ایک حیوان کا آنا کیا بعید ہے (۷۰) شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے ذبح عظیم کا ترجمہ بڑا جانور کیا ہے لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی نے صراحتاً تیار اور فربہ مینڈھا کا ذکر کیا ہے (۷۱) مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے اپنے مرشد تھانوی کا تتبع کیا ہے (۷۲) مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے کہ یہ مینڈھا تھا جو حضرت جبرائیلؑ لے کر آئے تھے (۷۳) یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کی کسی

آیت یا صحیح حدیث میں ایسا وارد ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بنی نوع انسان کو ان موشگافیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی روایات بائبل عہد قدیم کا سرمایہ ہیں چنانچہ بائبل میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے:

''تب ابراہیم نے اپنی آنکھیں اٹھائیں تو دیکھا کہ اس کے پیچھے ایک مینڈھا ہے جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے ہوئے ہیں' اور ابراہیم اس مینڈھے کے پاس گیا اور اس کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختی قربانی کے لئے چڑھایا۔ (۷۴)

تفسیر ابن کثیر اس قسم کی اسرائیلیات سے خالی نہیں ہے لیکن اس تفسیر کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس کا مولف اپنی جمع کردہ روایات پر بے لاگ تبصرہ کرتا ہے' اس زاویے سے علماء حدیث نے اس کتاب کو عظیم علمی کتاب کہا ہے' امام جلال الدین سیوطیؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ ''اس طرز پر اب تک اس سے اچھی تفسیر نہیں لکھی گئی۔''

بہرحال یہاں ابن کثیر کی خصوصیات اور منہج سے بحث نہیں (۷۵) بلکہ اس کی تفسیری روایات کے حوالہ سے محدثین کی کاوش پیش نظر تھی' محققین اور محدثین کی روایات کی اسانید ومتون کی جانچ پڑتال کے لئے روایت ودرایت کے اصولوں کو تشکیل دینا اور پھر ان کے ماہرانہ استعمال سے اخذ واستفادہ ہی ہمارا اصل مطلوب تھا' یہی وہ اصول ہیں جن پر جدید تحقیق نے اپنی بنیاد رکھی ہے نیز کوئی نقاد ومحقق اپنا کام میں ان اصولوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

حواشی

۱۔ ابوالحسن ندوی' تاریخ دعوت وعزیمت'' مجلس نشریات اسلام' کراچی' سن ندارد' حصہ دوم' ص ۳۷۲

۲۔ مقدمہ تفسیر القرآن العظیم' دارالکتب المصریہ (عیسیٰ البابی الحلبی) الجزء الاول' سن ندارد' ص ۳

۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ تفسیر القرآن العظیم' الجزء الاول' ص ۲۲

۶۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن العظیم'' الجزء الثالث' ص ۱۶' ۱۸

۷۔ محمد تقی عثمانی' علوم القرآن' مکتبہ دارالعلوم' کراچی' طبع ۱۹۹۸ء ص ۵۰۱

۸۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن العظیم'' الجزء الاول

۹۔ علوم القرآن' ص ۵۰۲

۱۰۔ تفسیر القرآن العظیم' الجزء الثالث' ص ۷۰

۱۱۔ اکمال فی اسماء الرجال' ص ۱۰۳

۱۲۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال' الجزء الثانی' ص ۶۵

۱۳۔ تہذیب الہذیب' ص ۱۰۵

۱۴۔ تہذیب التہذیب' الجزء الثالث' ص ۲۶۲

۱۵۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال' الجزء الثانی' ص ۲۴۱

۱۶۔ تقریب التہذیب' ص ۵۹

۱۷۔ تہذیب التہذیب' الجزء الثالث' ص ۲۲۷

۱۸۔ سیرت النبی' جلد اول' ص ۴۵

۱۹۔ سیرت النبی' جلد اول' ص ۴۴

۲۰۔ سیرت النبی' جلد اول' ص ۴۳

۲۱۔ مطالعہ حدیث' ص ۷۵

۲۲۔ تفسیر القرآن العظیم' الجزء الثالث' ص ۷۰

۲۳۔ تفسیر ابن کثیر (اردو) جلد ۳' ص ۲۷۳

۲۴۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالثالث، ص ۷۶
۲۵۔ تاریخ الحدیث، ص ۲۲۵
۲۶۔ تقریب التہذیب، ص ۱۵۲
۲۷۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثانی، ص ۳۱۲
۲۸۔ تقریب التہذیب، ص ۱۶۳
۲۹۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثانی، ص ۳۷۸
۳۰۔ تہذیب التہذیب، الجزالخامس، ص ۹۳
۳۱۔ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، المکتبہ الاثریہ سانگہ ہل، سن ندارد، الجزالاول، ص ۲۱۰
۳۲۔ سورہ الکہف، آیت ۱۸
۳۳۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالثالث
۳۴۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالثالث، ص ۷۸
۳۵۔ ''عہد عتیق و جدید''، مطبوعہ سوسائٹی آف سینٹ پال، روما، 1958ء ''کتاب تکوین، باب ۳'' ص ۴
۳۶۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالثالث، ص ۸۶
۳۷۔ مفصل بحث کیلئے ملاحظہ ہو، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۱۸۶
۳۸۔ شاہ ولی اللہ، ''الفوز الکبیر''، قرآن محل مولوی مسافر خانہ، کراچی، تاریخ اشاعت رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ، ص ۱۴۶
۳۹۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالثالث، ص ۷۸
۴۰۔ تقریب التہذیب، ص ۲۹۰
۴۱۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثالث، ص ۴۷۱
(۴۲۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثالث، ص ۴۷۰
۴۳۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثالث، ص ۴۶۹
(۴۴۔ تہذیب التہذیب، الجزالتاسع، ص ۳۸، ۳۹
۴۵۔ تہذیب التہذیب، الجزالتاسع، ص ۳۹
۴۶۔ تہذیب التہذیب، الجزالتاسع
۴۷۔ تہذیب التہذیب، الجزالتاسع، ص ۴۰
۴۸۔ تقریب التہذیب، ص ۱۹۱
۴۹۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثانی، ص ۵۲۸
۵۰۔ تہذیب التہذیب، الجزالسادس، ص ۴۹، ۵۰
۵۱۔ تقریب التہذیب، ص ۳۲۸
۵۲۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثالث، ص ۴۳۹، ۴۴۰
۵۳۔ تہذیب التہذیب، الجزالعاشر، ص ۳۹
۵۴۔ تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۱۰۶
۵۵۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالثالث، ص ۷۸
۵۶۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالثالث، ص ۷۸
۵۷۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالرابع، ص ۱۵
۵۸۔ سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۷
۵۹۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالاول، ص ۴۸۷
۶۰۔ تہذیب التہذیب، الجزالثانی، ۲۴۰
۶۱۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الج الاول ص ۴۸۹
۶۲۔ تہذیب التہذیب، الجزالثانی، ص ۲۴۰
۶۳۔ تہذیب التہذیب، الجزالثانی، ص ۲۴۱
۱۔۶۳۔ الکمال فی اسماء الرجال، ص ۹۹
۶۴۔ تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۱۲۰
۶۵۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالثالث، ۳۸۵
۶۶۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزالاول، ۴۰۲
۶۷۔ تہذیب التہذیب، ص ۵۵
۶۸۔ تہذیب التہذیب، الجزالثانی، ص ۷۱-۷۲
۶۹۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزالرابع، ص ۱۶
۷۰۔ مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، مکتبہ الحسن، لاہور، سن ندارد، جلد سوم، ص ۱۳۲
۷۱۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، تشکیل جدید ولی رازی صاحب، دارالاشاعت کراچی، طبع اول ۱۹۹۳، جلد دوم، ص ۴۲۵
۷۲۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی (اردو)، تاج کمپنی، کراچی، سن ندارد، ص ۹۰۱
۷۳۔ مولانا محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، اکتوبر 1998، جلد ۷، ص ۴۶۱
۷۴۔ عہد عتیق و جدید، سوسائٹی آف سینٹ پال، روما، 1958ء کتاب تکوین، باب ۲۲، آیت ۱۳
۷۵۔ تفسیر ابن کثیر کے منہج اور خصوصیات کے لئے ملاحظہ ہو ''محدث'' ستمبر ۲۰۰۱ء